حافظ کی شاعری

(اسلامی نقطۂ نظر سے ایک جائزہ)

جناب کبیر احمد جائسی (علیگ)

اب سے تیس چالیس سال پہلے کے ایران میں اپنے مذہبی، سیاسی اور ادبی افکار و خیالات کی وجہ سے جو شخصیتیں متنازعہ فیہ رہی ہیں ان میں احمد کسروی تبریزی کا نام سرفہرست ہے۔ اردو میں ان کی حیات اور شخصیت کا ایک مبسوط تعارف کرایا جا چکا ہے جو میری کتاب بازگشت[1] میں دیکھا جا سکتا ہے علاوہ برایں آذربائجان کی قدیم زبان آذری پر انھوں نے جو کچھ کام کیا ہے اس کا بھی میں نے اردو میں ترجمہ[2] کر کے اپنے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۷۸ء میں شائع کر دیا ہے۔ ان دونوں تحریروں سے ان کی شخصیت اور علمی کاموں کا ایک مجمل خاکہ ہمارے سامنے آجاتا ہے مگر ان کے ادبی افکار پر کوئی واضح روشنی نہیں پڑتی اسی لیے درج ذیل سطور میں کسروی کے اُن خیالات کا جائزہ لیا جا رہا ہے جو انھوں نے حافظ کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے ظاہر کیے ہیں۔ احمد کسروی تبریزی کی یہ تحریر کوئی مبسوط تصنیف نہیں ہے بلکہ یک موضوعی مقالہ ہے جو دوستوں کی فرمائش پر کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم احمد کسروی کی اس تحریر کا تعارف کرائیں بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حقیقت کی یاد دلاتے چلیں کہ ۱۹۱۵ء میں جب اقبال کی مثنوی 'اسرارِ خودی' شائع ہو کر منظرِ عام پر آئی تو ان اشعار پر ہنگامہ کا بازار گرم ہو گیا جو انھوں نے فکرِ حافظ پر تنقید کرتے ہوئے لکھے تھے۔ احمد کسروی تبریزی کے بیشتر خیالات، اقبال کے خیالات سے بہت حد

---

[1] بازگشت مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۵ء [2] آذری مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۸ء

تک مماثل ہیں لیکن انھوں نے کہیں بھی اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے کہ ان کی نظر سے اقبال کے وہ اشعار گزرے ہیں جو اقبال نے فکرِ حافظ پر تنقید کرتے ہوئے لکھے ہیں ممکن ہے کہ احمد کسروی تبریزی نے علامہ اقبال کے وہ اشعار نہ دیکھے ہوں لیکن انھوں نے فکر و شعرِ حافظ پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کا لہجہ اقبال کے لہجے سے کہیں زیادہ تند و تیز اور خشمناک ہے۔

احمد کسروی کا متذکرہ مقالہ دس نکات پر مشتمل ہے جس کی ابتدا میں احمد کسروی نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ وہ شاعری کے دشمن نہیں ہیں اور ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ شاعری نہ کی جائے مگر ان کا مطالبہ یہ ہے کہ شعر برائے شعر نہ کہا جائے بلکہ اُسی وقت شعرا شعر کہنے کی زحمت کریں جب ان کو اس کی ضرورت ہو، بلا سابت و ضرورت شعر گوئی، کسروی کے نزدیک یاوہ گوئی ہے ان کا خیال ہے کہ شعر کے بارے میں ان کے جو نظریات ہیں وہ انتہائی سادہ اور آسان ہیں مگر شعرا اس بات کو مطلق نہیں سمجھتے اور بلا ضرورت غزل، قطعہ، رباعی اور بیت لکھے چلے جاتے ہیں اور اپنے اس لایعنی فعل کو ایک ہنر یا مفید کام سمجھتے ہیں۔ کسروی کے نزدیک شاعروں کا یہی شیوہ رہا ہے، ان کے نزدیک حافظ کا بھی شمار ایسے ہی شاعروں میں ہوتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"این شیوۂ شاعران بودہ و حافظ ہم این شیوہ را داشتہ، او نیز شعر را یک خواست جداگانہ می شماردہ و این است عمر خود را با شعر گوئی و غزل سرائی بسر بردہ، بارہا کسانی جستجو کردہ اند کہ مقصود حافظ را از غزلہایش بدانند۔ باید گفت: مقصود او تنہا سرودن آن غزلہا بودہ و اینہا را یک کار ہنری می پنداشتہ و جز این مقصود دیگری نہ داشتہ است[1]"

(شاعروں کا یہی شیوہ رہا ہے اور حافظ بھی اسی شیوہ کے حامل تھے انھوں نے بھی شعر کو ایک جداگانہ ضرورت شمار کیا اور اسی لیے انھوں نے

---

[1] حافظ چہ می گوید، چاپ چہارم، تہران، یکم فروردین ۱۳۲۰ ص ۳

پوری زندگی شعر گوئی اور غزل سرائی میں بسر کی۔ بارہا لوگوں نے اس بات کی جستجو کی ہے کہ حافظ کے مقصد کو ان کی غزلوں کے ذریعہ سمجھ سکیں۔ کہنا چاہیے حافظ کا مقصد صرف غزل سرائی تھا اور وہ محض غزل سرائی کو ایک ہنرمندانہ کام سمجھتے تھے اس کے علاوہ ان کا کوئی اور مقصد نہیں تھا۔

اس کے بعد کسروی نے نفس غزل گوئی پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ایران میں غزل گوئی کے لیے شعرا جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ قافیہ ہے اور جب کوئی شاعر کوئی غزل لکھنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے ڈھونڈ ڈھونڈ کر قوافی کی ایک فہرست بناتا ہے اور کسی کاغذ پر لکھ لیتا ہے اور ہر قافیہ کو موزوں کرتا ہوا اپنی غزل مکمل کر لیتا ہے ان کے نزدیک حافظ کی غزل گوئی بھی اسی قبیل کی ہے وہ اپنی بات کی وضاحت کے لیے حافظ کی درج ذیل غزل نقل کرتے ہیں:۔

در ضمیر ما نمی گنجد بغیر از دوست کس — ہر دو عالم را بدشمن دہ کہ ما را دوست بس
یار گندم گون اگر میل کردی نیم جو — ہر دو عالم پیش چشم ما نمودی یک عدس
یاد میداری کہ بودی ہر زمان با دیگران — ایکہ بی یاد تو ہرگز بر نیاورد دم نفس
میردی چو شمع و جمعی از پس و پیشت روان — نی غلط گفتم نباشد شمع را خود پیش و پس
غافلست آنکو بشمشیر از تو می پیچد عنان — قند را لذت مگر نیکو نمی داند مگس
خاطرم وقتی ہوس کردی کہ بینم چیزھا — تا ترا دیدم نکردم جز بدیدارت ہوس
مردمان را از عسس شب گر خیالی در سر است — من چنانم کز خیالم باز نشناسد عسس
نوبت ازاشکم چو دریا گشت میترسم کہ باز — بر سر آیند این رقیبان سبکسارت چو خس
حافظا این رہ بپای لاشۂ لنگ تو نیست
بعد ازین منشین کہ گردی بر نخیزد زین فرس

اس غزل کو نقل کرنے کے بعد وہ قاری کو دعوت فکر دیتے ہیں اور کہتے ہیں:۔
"من خواہشمندم خوانندگان آن خوش گمانی را کہ بحافظ دارند بکنار

گزارند و نام "لسان الغیب" و دیگر ستایشہای گزافہ آمیز را کہ دربارہ این شاعر شنیدہ اند، فراموش کنند و بایک اندیشہ سادہ یکایک این شعرہا را بسنجند و بیازمایند تا بہ بینند چہ معناہای پوچی از ہرکدام بیرون می آید و برای آنکہ بہ آسانی این موضوع را دریابند بہتر است ہر شعری را بہ نثر برگردانند و با آنحال باندیشہ سپارند۔[1]"

(میری خواہش ہے کہ قارئین اُس خوش گمانی کو جو کہ وہ حافظ سے رکھتے ہیں، ایک طرف کردیں، "لسان الغیب" اور اسی طرح کے دوسرے مزخرفانہ ستائشی الفاظ جو انھوں نے اِس شاعر کے بارے میں سن رکھے ہیں فراموش کردیں اور سنجیدگی کے ساتھ ایک ایک شعر کو پرکھیں اور آزمائیں تاکہ وہ یہ دیکھ سکیں کہ کس قسم کے لچر معنی اِن تمام شعروں سے برآمد ہوتے ہیں اس بات کو آسانی سے سمجھنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ ہر شعر کی نثر کریں اور پھر اس پر غور و فکر کریں۔)

احمد کسروی کے نزدیک حافظ کی بیشتر غزلوں کا مقصد مجرد غزل گوئی ہے اور کچھ نہیں۔ مجرد غزل گوئی میں بھی حافظ کسی طریق خاص کے موجد نہیں ہیں بلکہ شاعروں کے اسی طریقے کے پیرو ہیں کہ ایک کاغذ پر قوافی لکھ لیے اور ہر قافیہ کو ایک بحر کے جملے میں پیوست کرکے شعر بنالیا۔ ان کے نزدیک یہی وجہ ہے کہ حافظ کے بیشتر اشعار میں معنی نہیں ہیں اور ان کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان اشعار کو صرف قوافی نظم کرنے کے لیے لکھا گیا ہے وہ اپنی بات کی وضاحت کے لیے درج ذیل مثال دیتے ہیں:۔

بعزم توبہ سحر گفتم استخارہ کنم | بہار توبہ شکن می رسد چہ کارہ کنم

اس شعر پر ان کو جو اعتراض ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

"آیا برای توبہ نیز استخارہ کنند، توبہ کجا و استخارہ کجا؟ استخارہ آنست

---

[1] حافظ چہ می گوید ص ۳۔ ۵

کہ کسی بوسیلۂ قرآن یا دانہ ہائے تسبیح یا بوسیلۂ دیگر از خدا مشورخواہد کہ فلاں کار را بکنم یا نکنم، و این عقیدۂ مسلمانان عامیست۔

از کلمہ ھای "توبہ" و "استخارہ" باید گفت کہ حافظ مسلمان بودہ و میخواری را گناہ می دانستہ ولی نیک بیندیشید کہ آیا یک مسلمانی برای توبہ از ری استخارہ می کند؟ آیا این معنی دارد کہ یک مسلمانی از خدا شور خواہد کہ از می خواری توبہ کنم یا نہ؟ بی گفتگو ست کہ مقصود شاعر جز درست کردن قافیہ نبودہ و تنہا این می خواستہ کہ از کلمۂ "استخارہ" استفادہ کند و آں را در غزل خود بیاورد۔"[1]

(کیا توبہ کے لیے بھی استخارہ کرتے ہیں؟ توبہ کہاں، استخارہ کہاں، استخارہ وہ چیز ہے کہ کوئی شخص قرآن، تسبیح کے دانوں یا کسی اور چیز کے ذریعے خدا سے مشورہ طلب کرتا ہے کہ فلاں کام کروں یا نہ کروں۔ یہ عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

"توبہ" اور "استخارہ" کے الفاظ کی بنا پر یہ کہنا چاہیے کہ حافظ مسلمان تھے اور شراب خوری کو گناہ سمجھتے تھے لیکن آپ اچھی طرح غور فرمائیں کہ کیا کوئی مسلمان توبہ کے لئے شراب کے ذریعہ استخارہ کرتا ہے؟ یا اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مسلمان خدا سے اس بات کا مشورہ طلب کرتا ہے کہ وہ توبہ کرے یا نہ کرے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس شعر میں (جو کچھ کہا گیا ہے اس سے) شاعر کا مقصد قافیہ پیمائی کے علاوہ کچھ اور نہ تھا اور وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ "استخارہ" کے لفظ سے فائدہ اٹھائے اور اس کو اپنی غزل میں نظم کرے)

---

[1] ص ۵

حافظ کی غزل سے اسی طرح کی مثالیں دینے کے بعد احمد کسروی اس بات سے بحث کرتے ہیں کہ حافظ کون کون علوم سے واقف تھے اُن کے خیال میں حافظ نے جس معاشرہ میں اپنی زندگی بسر کی اُس میں جو بھلے اور برے علوم رائج تھے وہ یہ تھے:

۱۔ قرآن، تفسیر اور فقہ۔ ۲۔ یونانی فلسفہ اور قدیم و جدید فلسفیوں کے ژولیدہ خیالیاں، ۳۔ تصوف اور صوفیوں کی بے پایاں مضر تعلیمات۔ ۴۔ خراباتیت اور خراباتیوں کی زہر آلود مضر تعلیمات۔ ۵۔ صوفیوں اور خراباتیوں کی کشمکش۔ ۶۔ تاریخ ایران اور اس کے افسانے (خضر و سکندر اور جم و جم کے قبیل کے افسانے) ۷۔ علم نجوم۔ ۸۔ جبریت اور جبریوں کی مضر تعلیمات۔

احمد کسروی کے نزدیک حافظ ان تمام علوم سے نہ صرف واقف تھے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ انہی علوم کی واقفیت نے ان کی عقل و خرد کو پراگندہ کرکے رکھ دیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص مختلف النوع علوم اور متضاد افکار و خیالات کو اپنے دل و دماغ میں رچا بسا لے گا تو اس کا لازمی نتیجہ ذہنی پراگندگی اور آشفتہ خاطری کی صورت میں ظاہر ہوگا اگر کوئی شخص خراباتیت، تصوف اور اسلامی عقائد کے افکار و نظریات کو اپنے ذہن و دماغ میں جگہ دیتا ہے تو اس کی فہم کو اتنا قوی ہونا چاہیے کہ وہ اِن باہم متخالف نظریات کے ساتھ انصاف کر سکے اور کھرے کھوٹے کی تمیز کرکے کسی ایک فکر کو اختیار کرے اور دوسری فکر کو ترک کر دے اگر اس شخص کی فہم اتنی قوی نہ ہوئی تو وہ ان افکار کی بھول بھلیاں میں گم ہو کر منزلِ مقصود کو فراموش کر دے گا۔ چونکہ حافظ شراب پیتے تھے اور ان کی فہم اتنی قوی نہیں تھی کہ وہ متخالف افکار و نظریات کے درمیان باہم فرق کر سکیں اس لیے ان کا دماغ پراگندہ ہو کر رہ گیا تھا۔

اقبال نے تو حافظ کو استعارۃً یا مجازاً "صہبا گسار" کہا تھا جب اس ترکیب پر صوفیوں کے حلقے سے بہت لے دے ہوئی تو انھوں نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے متعدد خطوط بھی لکھے اور اپنے ایک مقالے[۱] میں بھی اس امر کی وضاحت

---

[۱] جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے حافظ کو رندی باز شراب خور لکھا ہے وہ سخت غلطی میں مبتلا
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی کہ اس ترکیب سے ان کی مراد حافظ کی حالتِ سکر سے ہے مگر احمد کسروی ان لوگوں کے خیال سے بالکل اتفاق نہیں رکھتے جو یہ کہتے ہیں کہ حافظ کے یہاں جس شراب اور میخانہ کا ذکر ہے اس سے ان کی مراد کچھ دوسری چیزیں تھیں۔ ان کا خیال ہے کہ حافظ کی شراب واقعی و حقیقی شراب ہے وہ اپنے خیال کی تائید میں درج ذیل اشعار پیش کرتے ہیں:

چہ بود گر من و تو چند قدح بادہ خوریم — بادہ از خون رزانست نہ از خون شماست
جمال دختر رز نور چشم ماست مگر — کہ در حجاب نقابی و پردۂ عنبی ست
آن تلخ وش کہ صوفی ام الخبائث خواند — احلیٰ لنا و اشہیٰ من قبلۃ العذارا

ان اشعار کو نقل کرنے کے بعد وہ پھر اپنی اس بات کو دہراتے ہیں کہ حافظ اپنے زمانے کے تمام مروجہ علوم سے بہرہ مند تھے لیکن ان علوم سے واقف ہونے کے باوجود ان کا اصل مقصد صرف غزل سرائی اور وہ بھی وہ غزل سرائی تھا جو قافیہ پیمائی کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے اس لیے وہ کبھی اپنے اشعار میں قرآنی مصطلحات کو یوں نظم کرتے :

ز مصحف رخ دلدار آیتی بر خوان — کہ آن بیانِ مقامات کشف کشاف است

تو کبھی فلسفۂ یونان سے اس طرح استفادہ کرتے :

پس از نیم نبود شائبہ در جوہر فرد — کہ دہان تو بدین نکتہ خوش استدلالیست

(بقیہ گذشتہ حاشیہ) ہیں مجھ کو ان کی پرائیوٹ زندگی سے کوئی سروکار نہیں مجھ کو صرف اس نصب العین کی تنقید کرنا مقصود ہے جو بہ حیثیت ایک صوفی شاعر ہونے کے ان کے پیش نظر ہے اور میری تنقید میں بیشتر الفاظ و اصطلاحات انہی کے دیوان سے لیے گئے ہیں۔"
(وکیل امرتسر، ۱۵ جنوری ۱۹۱۶ء)

میں نے خواجہ حافظ پر کہیں یہ الزام نہیں لگایا کہ ان کے دیوان سے مے کشی بڑھ گئی۔ میرا اعتراض حافظ پر بالکل اور نوعیت کا ہے۔" (بنام اکبر الٰہ آبادی، ۱۱ جون ۱۹۱۸ء بحوالہ روح مکاتیب اقبال ص ۲۰۰)

یا پھر صوفیوں کی لاطائل باتوں سے مستفید ہوتے ہوئے اس طرح قافیہ پیمائی کرتے

حجاب چہرۂ جان میشود غبار تنم   خوش آن دمی کہ ازین چہرہ پردہ برفگنم

یا پھر خراباتیوں کی ہرزہ سرائیوں کو اپناتے ہوئے اس طرح نکارتے:

حدیث از مطرب و می گو و راز دہر کمتر جو   کہ کس نگشود و نگشاید بحکمت این معما را

کبھی صوفیوں سے دست و گریباں ہوکر ان کی یوں سرزنش کرتے:

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز   ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست

کبھی ایران کی افسانوی تاریخ سے استفادہ کرتے ہوئے یوں شعر نظم کرتے:

قدح بشرط ادب گیر زانکہ ترکیبش   ز کاسۂ سر جمشید و بہمن ست و قباد

کبھی علم نجوم اور اس کی افسانوی باتوں کی مدد لے کر اس طرح شعر کہتے:

بگیر طرۂ مہ طلعتی و غصہ مخور   کہ سعد و نحس ز تاثیر زہرہ و زحل است

کبھی جبریوں کے نظریات کو اپناتے ہوئے یوں غزل سرا ہوتے:

نصیب من چو خرابات کردہ است الہٰ   درین میانہ مرا زاہدا بگو چہ گناہ

حافظ کی غزلوں کے ان اشعار کی نشاندہی کے بعد وہ پھر اپنی وہی بات دہراتے ہیں کہ حافظ کی شاعری واقعی اور حقیقی شاعری نہیں بلکہ صرف قافیہ پیمائی ہے احمد کسروی کے نزدیک حافظ کی شاعری کا مقصد معنی کی باز آفرینی نہیں ہے بلکہ بے ربط اور پراگندہ معنی کو ایک بحر کے سانچے میں ڈھال دینا اور اس طرح شعر کہنا ہی ان کا اصل مقصد ہے وہ اس سلسلے میں ایک ایسی مثال بھی دیتے ہیں جس سے انکار کرنا ممکن نہیں رہ جاتا۔ وہ حافظ کا درج ذیل شعر نقل کرتے ہیں۔

ای صبا گر بگذری بر ساحل رود ارس   بوسہ زن بر خاک آن وادی و مشکیں کن نفس

اور اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ حافظ کو دریائے ارس سے کوئی دلچسپی یا محبت نہ تھی کیونکہ یہ دریا آذربائیجان میں ہے جس کا انھوں نے صرف نام سن رکھا تھا اس کے علاوہ ان کا کوئی بھی تعلق اس دریا سے نہ تھا۔ یہاں پر رود ارس کے لفظ کو نظم کرنے سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ "سین" کی ردیف میں ایک غزل لکھیں اور "س" کے حرف پہ ٹوٹنے والے الفاظ کو بحر کے سانچے میں ڈھالتے جائیں۔

احمد کسروی کو اس بات کا اعتراض ہے کہ حافظ اسلام کے عقاید و اصول، خراباتیوں کے نظریات، صوفیوں کے تصورات اور یونانی فلسفہ کے نکات سے جو کہ ایک، دوسرے کے برعکس و برخلاف ہیں، واقف تھے مگر ان کے خیال میں حافظ نے اِن میں سے کسی کسی علم کے لیے خود کو وقف نہیں کر رکھا تھا۔ اسی وجہ سے وہ کبھی اِس علم سے اور کبھی اُس علم سے استفادہ کرتے ہوئے شعر کہتے ہیں اور ان کے اشعار میں پراگندگی اور تضاد دکھائی دیتا ہے۔

اِسی ضمن میں کسروی نے ان لوگوں سے بھی اختلاف کیا ہے جو حافظ کو "خراباتی" کہتے ہیں اور اُن کی خراباتیت کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔ کسروی کے نزدیک حافظ کا خراباتی ہونا بھی مشکوک ہے۔ حافظ کے کلام میں خراباتیت کا جو رنگ نظر آتا ہے ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ متخالف اور متضاد علوم کی بھول بھلیاں میں پھنس گئے تھے اور اسی بنا پر کسی ایک عقیدہ یا نظریہ پر جم نہ سکے تھے اسی لیے لوگوں نے ان کی اس گم کردہ راہی کو خراباتیت سمجھ لیا کیونکہ خراباتیت اور بے عقیدگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اس کے بعد احمد کسروی اس بات سے بحث کرتے ہیں کہ خراباتیوں کے تصورات و نظریات کیا تھے اور فارسی اشعار میں وہ کس قسم کے معنی و جذبات کی عکاسی کیا کرتے تھے۔ خراباتیوں کی اصلیت و حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے کسروی نے تحریر کیا ہے:

"خراباتیان گروہی می بودند کہ این جہان را ہیچ و پوچ پنداشتہ یک دستگاہ بیہودہ اش لشمارندو بہ آفرینش و آفریدگار ایرادہا کہ بسیار می گرفتند" (ص ۹)

(خراباتی اس گروہ کے لوگ تھے جو اس دنیا کو ہیچ و پوچ سمجھتے ہوئے اس کو ایک لایعنی کارخانۂ قدرت قرار دیتے، اس کی تخلیق اور اس کے خالق پر صدہا اعتراضات جڑتے تھے۔)

پھر مثال کے طور پر انھوں نے یہ دو اشعار نقل کیے ہیں

ای بی خبر این شکل مجسم ہیچ است — وین طارم نہ رواق ارقم ہیچ است

جہاں وکارجہاں جملہ ہیچ در ہیچ است　　　ہزار بار من این نکتہ کردہ ام تحقیق

اس کارخانۂ قدرت کو ذلیل و بے قیمت گردانتے ہوئے یوں نغمہ سرا ہوتے:

حاصل کار گہ کون و مکاں این ہمہ نیست　　　بادہ پیش آر کہ اسباب جہاں این ہمہ نیست

یہی خراباتی یہ بھی کہتے کہ جستجو کے ذریعہ نہ تو کوئی صحیح راہ پا سکتا ہے اور نہ وہ اس دنیا کے راز ہی کو سمجھ سکتا ہے:

در پردۂ اسرار کسی را رہ نیست　　　زیں تعبیہ جان ہیچ کس آگہ نیست

خراباتیوں کے نزدیک عقل و خرد کی بھی کوئی قدر و قیمت نہ تھی وہ عقل و خرد کو خوار و زبوں اور بے قیمت گردانتے ہوئے اس طرح کے شعر الاپا کرتے

ز بادہ ہیچت اگر نیست این نہ بس کہ ترا　　　دمی ز وسوسۂ عقل بی خبر دارد

اسی طرح انھوں نے فارسی اشعار سے مثالیں دے دے کر خراباتیوں کے تمام افکار و نظریات کی نشاندہی کی ہے ان اشعار میں اگر ایک طرف زندگی کو خواب و خیال کہا گیا ہے تو دوسری طرف خالق کائنات پر بھی اعتراض ہے کہ وہ انسانوں کو پیدا کرتا ہے اور پھر مٹا ڈالتا ہے حالانکہ ایک کوزہ گر اپنے بنائے ہوئے کوزوں کو نہیں توڑتا آخر خدا ایسا کیوں کرتا ہے؟ انہی اشعار کے ذریعہ خراباتیوں کے اس تصور پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس دنیا کے آغاز و انجام کی کوئی خبر نہیں ہے اور یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ انسان کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا انہی تصورات کے نتیجے میں خراباتیوں کا گروہ اس نتیجے پر پہونچتا ہے کہ اس دنیا میں عقل و خرد سے کام لینا اور ماضی و مستقبل کے بارے میں سرگرداں رہنا بے معنی و فضول ہے اس طرح کی کوششوں سے کسی طرح کے نتیجے پر نہیں پہونچا جا سکتا اس لیے انسان کو اپنے ماضی کو نہ تو یاد کرنا چاہیے اور نہ ہی مستقبل کی فکر کرنی چاہیے بلکہ اس کو خوشی خوشی اپنی زندگی بسر کرنی چاہیے اور اگر کسی وجہ سے اس کو خوشی میسر نہ آسکے تو پھر شراب کے ذریعہ خوشی حاصل کرنی چاہیے۔ انسان کی عمر لمحاتی ہے اس کو غنیمت شمار کرتے ہوئے اس کو خوشی اور مستی میں گزارنا چاہیے۔ چنگ اور چغانہ پر نغمہ سننا چاہیے اور اپنے شب و روز کو میخانہ میں بسر

کرنا چاہیے یہ دنیا مدتوں سے اسی نہج پر چل رہی ہے لوگ یہاں آتے ہیں پھر رخصت ہو جاتے ہیں ہم بھی اسی طرح ایک دن رخصت ہو جائیں گے۔ احمد کسروی نے خراباتیوں کے یہ نظریات درج ذیل اشعار سے اخذ کیے ہیں:

چون عہدہ نمی کند کسی فردارا | باری خوش کن تو این دل سودا را
می نوش بنور ماہ ای ماہ کہ ماہ | بسیار بتابد و نیابد مارا

با بادہ نشیں کہ ملک محمود این ست | وز چنگ شنو کہ لحن داؤد این ست
از آمدہ و رفتہ دگر یاد مکن | خوش باش کہ از وجود مقصود این ست

بادت بدست باشد اگر دل نہی بہ ہیچ | در معرضی کہ ملک سلیماں رود بباد
دی پیر میفروش کہ ذکرش بخیر باد | گفتا شراب نوش و غم دل ببر ز یاد

ان اشعار کو نقل کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ خراباتیوں میں شراب نوشی کی عادت انہی افکار و نظریات کی وجہ سے تھی جب کوئی بندۂ خدا ان کو ان کی اس روش پر تنبیہ کرتا تو وہ جبریت کا لبادہ اوڑھ لیتے اور جواب دیتے کہ خدا نے ہم کو ایسا ہی پیدا کیا ہے اور یہی چیز ہمارے لیے مقدر کر دی ہے۔ فارسی شاعری سے خراباتیوں کے افکار و نظریات کی بہت سی مثالیں پیش کرنے کے بعد وہ جس نتیجے پر پہونچے ہیں وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

"این سخنان خراباتیانست کہ از گفتہ ہای خیام و حافظ بدست می آوریم۔ این سخنان در نگاہ نخست پایہ دار و گیرا می نماید۔ این ست کہ کسان بسیاری فریب آن ہا را خوردہ اند

ولی باید گفت بسیار پوچ ست۔ این سخنان در واقع دو جملہ است یکی آنکہ این جہان دستگاہ بیہودہ ایست و از آغاز و انجام آن چیزی دانستہ نمی نیست دیگر این کہ ما باید بہ ہیچ کوششی نپردازیم

و با مستی و خوشی روز گزرانیم" (ص ۱۳)

(خراباتیوں کے یہ افکار و نظریات ہم نے خیام اور حافظ کے اشعار کے ذریعے حاصل کیے ہیں یہ باتیں پہلی نظر میں تو بڑی گہری اور دقیق معلوم ہوتی ہیں اسی لیے بہت سے لوگوں نے ان باتوں سے دھوکا کھایا ہے۔

لیکن فی الواقع یہ باتیں انتہائی لچر ہیں ان باتوں کا لب لباب ان دو جملوں میں ہے۔ اول تو یہ کہ یہ دنیا ایک بیہودہ تخلیق ہے جس کے آغاز و انجام میں سے کوئی چیز بھی ہم کو نہیں معلوم ہے دوم یہ کہ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم کسی طرح کی کوئی کوشش نہ کریں اور اپنی زندگی کے دن مستی و خوشی میں گزاریں)

خراباتیوں کے ان افکار و نظریات پر وہ سخت الفاظ میں تنقید کرتے ہوئے اس موضوع پر آجاتے ہیں کہ منگولوں کے زمانے کے ایران میں (جو حافظ کا عہد حیات بھی ہے) تصوف کا حال کیا تھا اور ان اسباب و علل پر بھی روشنی ڈالتے ہیں جن کی وجہ سے اس زمانے کے ایران میں تصوف مقبول ہوا۔ احمد کسروی کی تحریر کا یہ نکتہ بہت اہم ہے اس لیے ہم درج ذیل سطور میں ان کے اسی نکتہ کا کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیں گے۔

احمد کسروی تبریزی اس بات کے قائل ہیں کہ ایرانی قوم ایک جنگجو اور بہادر قوم تھی۔ ظہور اسلام کے بعد جب ایران کے بیشتر افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو اسلامی معتقدات کے اثر سے ان کی جوانمردی، بہادری اور جنگ جوئی میں مزید اضافہ ہوا۔ ان کے نزدیک کم و بیش چھٹی صدی ہجری تک یہی صورت حال قائم تھی۔ انھوں نے اپنی بات کی تصدیق کے لیے سامانیوں کی مثال پیش کی ہے جو ہمیشہ ترکوں سے نبرد آزما رہا کرتے تھے۔ دیلمیوں کی مثال پیش کی ہے جو پہاڑوں کی بلندیوں سے اتر کر نیچے آئے اور ٹڈی دل کی طرح میدانی علاقوں پر چھا گئے۔ آل بویہ کی مثال پیش کی ہے جو تاخت و تاراج کرتے ہوئے بغداد تک پہونچے اور انھوں نے عباسی خلیفہ کو اپنا مطیع و

زمامبر دار بتایا آخری مثال محمود غزنوی کی پیش کی ہے جس کی جنگ جوئی نے اس کو ہندوستان پر حملہ کرنے اور اس کو فتح کرنے پر اکسایا، لیکن ساتویں صدی ہجری کے آغاز ہی سے یہ صورت حال یکسر تبدیل ہو جاتی ہے اور ایرانیوں کی غیرت و مردانگی قصۂ پارینہ بن جاتی ہے۔ یہ وہی زمانہ ہے جب چنگیز خاں نے ماوراء النہر پر حملہ کرکے وہاں چار برسوں تک قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھا تھا۔ اُس کے دوسرداروں نے جب ایران کے دوسرے حصوں کی طرف رخ کیا تو ان کے ساتھ صرف تیس ہزار فوج تھی مگر اسی فوج کی مدد سے انھوں نے سارے ایران کو ہلاکر رکھ دیا۔ احمد کسروی کے خیال میں ابھی اس بات کی تحقیق نہیں کی گئی ہے کہ ایرانیوں کی غیرت و مردانگی یک لخت کیوں ختم ہو گئی اور اس ختم ہونے کے اسباب کیا تھے۔ انھوں نے اس سلسلے میں جو تحقیق کی ہے اور اس سے جو نتیجہ برآمد کرسکے ہیں وہ یہ ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں ایران میں بہت سی غلط تعلیمات (کسروی کے الفاظ میں بدآموزیہا) رائج ہو گئی تھیں جو ایرانیوں کی غیرت و مردانگی کو گھن کی طرح چاٹ گئیں۔ ان کے نزدیک اِن غلط تعلیمات کے سرچشمے تین تھے تصوف، باطنیت اور خراباتیت۔

ان کے خیال کے مطابق جب منگول ایران پر قابض ہو گئے تو باطنیت کو تو زوال ہوا مگر تصوف اور خراباتیت کو اس زمانے میں اس لیے فروغ حاصل ہوا کہ ان گروہوں کے افراد نہ تو منگولوں سے مزاحم ہوئے تھے اور نہ ہی منگولوں کو ان کی فکر و عمل سے کوئی خطرہ تھا۔ منگولوں کے حق میں یہی مفید تھا کہ ایرانی قوم اِس دنیا کو ہیچ و پوچ اور انسان کو مجبور محض سمجھتی رہے تاکہ وہ کبھی ان کے مدمقابل نہ ہو سکے۔ اسی سلسلۂ سخن میں انھوں نے صوفیا پر بڑے سخت الفاظ میں تنقید کی ہے اور ان کی اس بات کو خاص طور سے نشانۂ ملامت بنایا ہے کہ جب بھی کوئی نیا بادشاہ بنتا تو یہ لوگ اس کے بارے میں اپنے شیخ کا کوئی قول گھڑ کر مشہور کر دیتے اور بتلاتے کہ ہمارے شیخ نے اس کے بادشاہ ہونے کی پیش گوئی کی تھی۔ غرض کہ صوفیوں اور خراباتیوں کی غلط تعلیمات اور منگولوں کے جبر و ظلم نے ایرانی قوم کے دل و دماغ کو بالکل ہی سلا کر رکھ دیا اور

وہ اپنی بے عزتی اور بے غیرتی کو من جانب اللہ کہہ کر دنیا و مافیہا سے بے خبر رہنے لگے۔

اس کے بعد احمد کسروی نے اس مسئلہ سے بحث کی ہے کہ اس زمانے کے معاشرہ میں سوفیوں کے مقابلے میں خراباتیوں نے کس طرح فتح حاصل کی؟ اور کس طرح ایران کے بیشتر افراد خراباتیوں کی آواز سے آواز ملا کر اس دنیا کو ہیچ پوچ اور انسان کو مجبور محض کہنے لگے؟

احمد کسروی کے نزدیک جب ایران پر منگولوں نے قبضہ کیا اس زمانہ تک شراب سازی کا سارا کاروبار زردشتیوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھوں میں تھا۔ یہ سارا کاروبار شہر سے دور کسی ویرانے میں کیا جاتا جہاں شراب فروشی کے ساتھ ساتھ چنگ و رباب پر نغمے بھی سنائے جاتے۔ اس زمانے تک اگر کوئی شخص شہر کے اندر اپنے گھر میں شراب کشید کرتا تو محتسب اس سے احتساب کرتے اور شراب کے مٹکے کے ساتھ ساتھ بسا اوقات شراب کشید کرنے والے کا سر بھی توڑ دیا جاتا لیکن منگولوں کی کوئی مذہبی پالیسی نہیں تھی انھوں نے تمام مذاہب کے لوگوں کو آزادی دے رکھی تھی کہ وہ جو چاہیں سو کریں ان کی اس پالیسی کی وجہ سے شراب کشید کرنے والوں کو پوری آزادی حاصل ہو گئی اور ان کا کاروبار گھر گھر پھیل گیا اور ہر گھر سے چنگ و رباب پر نغمے بلند ہونے لگے ان غیر مسلموں نے دل کھول کر مسلمانوں سے ان سختیوں کا انتقام لیا جو شراب سازی اور شراب نوشی کی وجہ سے ان پر کی جاتیں۔ رفتہ رفتہ منگولوں کی مدد سے وہ اتنے دلیر ہو گئے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں دونوں کی اہانت کرنے لگے منگولوں کے لیے خراباتیوں کا یہ عمل بہت ہی مفید تھا اسی لیے انھوں نے اس لے کو بلند سے بلند تر کرنے میں خراباتیوں کی ہر طرح کی مدد دے کر ان کو کھلی چھوٹ دے دی۔ منگولوں کو خراباتیوں کے اس عمل سے یوں اور دلچسپی پیدا ہو گئی کہ اگر ایرانی قوم بیدار رہتی، جد و جہد کے راستہ پر گامزن ہو کر اپنی نجات کے لیے کوشاں ہوتی تو منگولوں کے لیے ایک خطرہ پیدا ہو جاتا۔ خراباتیوں کے افکار و نظریات سے متاثر ہونے کے بعد ایرانی قوم رفتہ رفتہ شجاعت و جوانمردی کو بھولنے لگی اور ہر چیز کو من جانب اللہ سمجھ کر اپنی پستی و زبوں حالی پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہی۔ منگولوں کا اصل منشا یہی تھا کہ ایران کے مسلمان کسی طرح ان کے ظلم و ستم کو فراموش کر کے ان کے مطیع و فرمانبردار بن

جائیں ان کو یہ مقصد خراباتیت کے افکار و نظریات کے عام ہونے کی وجہ سے حاصل ہوگیا جس کے لیے ان کو نہ کوئی کوشش کرنی پڑی اور نہ ہی مزید خون بہانا پڑا۔

اس کے بعد احمد کسروی تبریزی نے فارسی شاعری کی مدد سے اس کشمکش و کشاکش کی تصویر کشی کی کوشش کی ہے جو منگولوں کے ابتدائی زمانے میں خراباتیوں اور صوفیوں کے درمیان برپا تھی۔ اپنے معتقدات کی رو سے کسروی تصوف کے بالکل قائل نہیں ہیں اسی لیے انھوں نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ صوفیا کا دامن بھی آلودگیوں سے پاک نہیں تھا لیکن چونکہ ان کی یہ آلودگیاں پارسائی و پرہیزگاری کے ناموں سے موسوم تھیں اور مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق چنگ و چغانہ کے نغموں میں مست رہنا از روئے شرع حرام تھا اس لیے وہ لوگ خراباتیوں سے نہ صرف اختلاف کیا کرتے بلکہ ان کو مجرم بھی گردانتے رہتے۔ صوفیوں کی اس روش کی وجہ سے خراباتی ان کے دشمن ہو گئے تھے منگولوں کے ابتدائی عہد میں جب خراباتیوں کی تعداد بڑھ گئی اور ان کو ایک گونہ اقتدار بھی حاصل ہوگیا تو وہ صوفیوں کے گروہ کے خلاف بدگوئی اور زبان درازی کرنے لگے۔ خراباتیوں نے صوفیوں کو مخاطب کرتے ہوئے جو اشعار اس زمانے میں لکھے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں :۔

بگو بزاہد سالوس خرقہ پوش دورو دی — کہ دستِ زرق دراز ست و آستیں کوتاہ
تو خرقہ راز برای ہوا ہمی پوشی — کہ تا بزرق بری بندگان حق از راہ
منعم از می مکن ای صوفی صافی کہ حکیم — در ازل طینت ما را بمی صاف سرشت
من ز مسجد بخرابات نہ خود افتادم — این ہم از روز ازل حاصل فرجام افتاد
ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما

ان اشعار کو نقل کرنے کے بعد انھوں نے بتلایا کہ کس طرح صوفیوں کو اپنی "بے شرمی"[1] کی سزا ان "بے شرم تر" لوگوں کے ہاتھوں ملی اسی سلسلۂ سخن میں

---

[1] کسروی نے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔

انھوں نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ صوفیہ اور خراباتیوں کی یہ کشمکش و کشاکش شروع شروع میں تو معمولی نوعیت کی تھی مگر بعد میں خراباتیوں نے وہ چال چلی کہ صوفیہ اس کی کوئی کاٹ نہ کر سکے۔ خراباتیوں نے اس شراب خانہ کو جس میں مغوں کے کم عمر لڑکے ساقی گری کرتے، بدمست، جوا کھیلنے والے اور چنگ و چغانہ بجانے والے اپنا ڈیرا جمائے رہتے، خانقاہ کا مثل قرار دے دیا اور اعلان کرنے لگے کہ شراب خانہ بھی تو "طے مقامات" کی ایک جگہ ہے۔ آخر صوفیوں میں وہ کیا چیز ہے جو ہم خراباتیوں میں نہیں؟ صوفیوں کی خانقاہ میں وہ کون سی شے ہے جو ہمارے شراب خانے میں نہیں ملتی؟ صوفیوں کا جواب تھا کہ ہم لوگ خداطلبی میں خانقاہ میں جمع ہوتے ہیں اس کا جواب خراباتیوں کا گروہ یہ دیتا کہ خدا صرف خانقاہ ہی میں نہیں رہتا اور ہم بھی خدا طلبی ہی میں شراب خانے میں جمع ہوتے ہیں۔ صوفیا جب "عشق خدا" کا ذکر کرتے تو خراباتی بھی اس کے دعوے دار ہو جاتے اور کہتے کہ ہم بھی تو اپنی شراب اُس عشق کے نام پر پی رہے ہیں۔ خراباتیوں کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ صوفیہ جن باتوں سے واقف ہیں ان سے ہم بھی واقف ہیں مگر ہم چونکہ محرم اسرار ہیں اس لیے ان باتوں کو اپنی زبان سے ادا نہیں کرتے۔ صوفیوں کی خانقاہوں میں ایک پیر طریقت ہوتا تھا اس کے جواب میں خراباتیوں نے بھی اپنا ایک پیر مقرر کر لیا، ان کا پیر "گبر مے فروش" تھا جس کے بارے میں خراباتی یہ دعویٰ کرتے کہ یہ شراب فروش گبر خدا کے اسرار نہاں سے واقف ہے اور ہم کو اسی کی تعلیم دیا کرتا ہے صوفیہ کا ایک دعویٰ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی ہستی کی نفی کرتے ہیں تاکہ خدا تک پہونچ سکیں۔ اس کے جواب میں خراباتیوں کا گروہ یہ کہتا کہ اپنی ہستی کی نفی کے لیے شراب نوشی سے بہتر کوئی اور چیز نہیں۔ صوفیہ کا خیال تھا کہ اگرچہ وہ لوگ دنیاوی جاہ و جلال اور آسائشوں سے بہرہ ور نہیں ہیں تاہم بادشاہوں کو وہی تاج بخشتے ہیں اگر وہ چاہیں تو بادشاہوں کی حکومتیں چھن جائیں۔ خراباتیوں کا گروہ بھی اپنے آپ کو اس وصف سے متصف کرتا اور کہتا کہ شراب خانہ میں جتنے لوگ بھی موجود ہیں وہ اگرچہ بظاہر گدائے بے نوا ہیں مگر اُن میں سے ہر شخص اعلیٰ "مقامات"

کا حامل ہے اور لوگوں کو بادشاہیاں دینے اور چھیننے پر قادر ہے۔ غرض کہ صوفیوں کا گروہ اپنے جو بھی اوصاف بیان کرتا خراباتیوں کا گروہ اس کے جواب میں اپنی شراب کی برتری ثابت کر دیتا۔ جب یہ لے حد سے بڑھ گئی تو خود گروہ صوفیہ نے خراباتیوں کی بہت سی چیزوں کو اپنا لیا اس سلسلے میں احمد کسروی کی یہ عبارت خاص طور سے قابلِ غور ہے۔

"این یک کار دیگری برای صوفیان شده که ہریکی از ایشان دم از رندی زند (رندی کہ ضد صوفیگری بودن) و نام خرابات برد، د سخن از بادہ خوارن گوید۔ این خود یک "مقامی" گردیدہ کہ ہر صوفی بایستی بپیماید، صوفیانی کہ بعد از زمان حافظ آمدہ اند بیشتر آنان ہمیں سخنانِ حافظ را کہ بضد آنہا بودہ گرفتہ و تکرار کردہ اند۔ ہاتف اصفہانی و عصمت بخارایی و دیگران در این بارہ داد "سخن سنجی" دادہ اند۔ از اینجا اندازۂ فہم و خرد آنان را تواں دانست۔" (ص ۲۲)

(صوفیوں کے لیے اب یہ ایک دوسرا کام ہو گیا کہ ان میں سے ہر شخص رندی کا دم بھرنے لگے (رندی، صوفیت کی ضد تھی) اور شراب خانہ کا نام لے کر شراب نوشی کی باتیں کرے۔ یہ باتیں بجائے خود ایک مقام بن گئیں اور ہر صوفی کے لیے یہ لازم ہوا کہ ان مقامات کو طے کرے۔ وہ صوفیہ جو حافظ کے عہد کے بعد پیدا ہوئے ہیں ان میں سے بیشتر لوگوں نے حافظ کی انہی باتوں کو، جو ان کے معتقدات کے برخلاف تھیں، اختیار کر لیا اور انہی کی تکرار کرنے لگے۔ ہاتف اصفہانی اور عصمت بخارائی اور اسی قبیل کے لوگوں نے اس سلسلے میں خوب خوب دادِ "سخن سنجی" دی ہے، ان باتوں سے ان کی فہم و خرد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔)